اصحاب احمد کا توکل الی اللہ

خدا تعالیٰ نے اس دور میں اصحابِ احمد کو بھی وہی توکل ادا کیا جو کہ اصحابِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو عطا فرمایا تھا۔اور جیسا کہ قرآنِ کریم میں بھی یہ ایک پیشگوئی ہے کہ واخرین منھم لما یلحقوا بھم سو اسی آیت کے تحت اصحابِ احمد بھی اصحابِ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی طرح ہوئے۔اصحابِ احمد میں سے چند ایک صحابہ کا توکل علی اللہ میں اس سیمینار میں بیان کروں گا۔

حضرت مولوی نور الدین صاحب خلیفۃ المسیح الاولؓ

اگر آپ کی زندگی دیکھی جائے تو آپ نے پوری زندگی ہی اللہ پر توکل کیا۔کئی بار ایسے مواقع آئے کہ آپ کے پاس کچھ بھی نہ تھا لیکن آپ نے ہر حال میں ہی خدا پر توکل کیا۔اور اسی توکل کی برکت سے ہی اللہ تعالیٰ نے آپ کو ہر میدان میں کامیابی دی۔کئی بار تو ایسا بھی ہوا کہ آپ کے پاس کھانے کو کچھ بھی نہ تھا اور آپ کی حالت اس حد تک پہنچ جاتی کہ آپ اٹھ کر بیٹھ بھی نہ سکتے لیکن کبھی کسی کے آگے ہاتھ نہیں پھیلایا اور ہمیشہ توکل علی اللہ ہی کیا اور پھر خدائے ذوالجلال نے آپ کو کبھی اکیلا نہ چھوڑا۔اور آپ کے ہر ابتلاء کے موقع پر اللہ پر ہی توکل کرنے پر آپ کو مزید فضلوں اور رحمتوں سے نوازا۔

ایک دفعہ جب آپ بھوپال پہنچے۔شہر میں داخل ہوتے وقت آپ کے پاس ایک روپیہ تھا ایک باورچی کو اٹھنی دی اور کھانا کھایا،اٹھنی واپس لی لیکن جب بعد میں دیکھا تو وہ غائب تھی۔بھوپال میں "باجی کی مسجد" نام کی ایک مسجد تھی۔آپ وہاں رہنے لگے اس حال میں کہ کوئی روپیہ نہ تھا۔اور بہت وقتوں تک کھانے کا موقع نہ ملا۔حتیٰ کہ ایک دن آپ نے یقین کیا کہ آج شام تک تو میں نہ بچوں گا۔اس باجی کی مسجد میں ایک چبوترہ تھا عصر کی نماز کے بعد ٹیک لگا کر اس چبوترے میں بیٹھ گئے۔اور پھر لیٹ گئے۔آپ کے بدن سے پسینہ جاری تھا اور خیال تھا کہ شام تک شاید ہی زندہ رہوں۔لیکن اس حالت میں بھی کسی سے کچھ بھی نہ مانگا صرف اور صرف اپنے رازق خدا پر ہی توکل بہتر سمجھا۔پھر خدا نے ہی سبب بنایااور وہاں کا ایک منشی آ گیا اور نبض دکھائی آپ نے نبض دیکھ کر کہا کہ بدہضمی ہے۔اسے واقعہ میں بد ہضمی تھی اس کے کہنے پر نسخہ بتایاجو کہ بہت قیمتی تھا۔وہ چل دئے پھر پیغام بھجوایا کہ آج آپ کی ضیافت

ہمارے ہاں ہے آپ اٹھ تو سکتے نہ تھے وہیں لیٹے رہے۔ حتیٰ کہ پھر پیغام آیا اور پھر ایک شخص اپنے کندھوں پر اٹھا کر لے گیا اور پھر آپ نے وہاں جا کر کھانا کھایا۔ یہ تھا آپ کا توکل علی اللہ۔

پھر آپ کا توکل اس مشہور واقعہ سے بھی جھلکتا ہے کہ جب آپ کو ایک دفعہ حضرت مسیح موعودؑ نے بلا بھیجا آپ اپنے مطب خانہ میں تھے کہ وہیں سے دوڑ پڑے اور بغیر کسی پیسہ کے ٹرین کی طرف چل دئے اس میں ایک تو یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ آپ کس قدر خدا کے مسیح سے محبت کرتے تھے دوسری یہ بات بھی سامنے آتی ہے کہ آپ کا خدا پر توکل تھا کہ وہ خود ہی کوئی نہ کوئی کرایہ کا سامان کر دے گا۔ پھر خدا تعالیٰ نے اس توکل کے نتیجہ میں آپ کے پاس سٹیشن پر ہی ایک ایسے آدمی کو بھیج دیا جس کی بیوی بیمار تھی۔ اس نے آپ کا کرایہ ادا کر دیا۔

قادیان میں آپ کے گزارے کی صورت بظاہر طب کے سوا اور کچھ نہ تھی۔ مگر آپ کے خانگی اخراجات، مہمان نوازی، یتامیٰ و مساکین کی پرورش، دینی چندوں میں سب سے بڑھ کر حصہ لینا۔ اب سب پر ایک معقول رقم خرچ ہوتی تھی۔ اور اللہ ہی بہتر جانتا ہے کہ یہ رقوم کہاں سے آتی تھیں۔ فرمایا کرتے تھے کہ اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے میری ضرورتوں کو پورا کرتا ہے۔ اور مجھے رزق من حیث لایحتسب عطا کرتا رہتا ہے۔ کبھی آپ کی کوئی ایسی ضرورت نہ ہوتی تھی جو پوری نہ ہو جائے اور غیب سے اس کے واسطے سامان بن نہ جائے۔

اسی طرح جب آپ کو حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے بھیرہ سے قادیان آنے کا کہا تو اس وقت آپ کی بھیرہ میں ایک جائیداد تھی، اور ایک مطب خانہ تعمیر بھی ہو رہا تھا۔ لیکن آپ نے وہ سب کچھ اللہ کے نبی کی خاطر چھوڑتے ہوئے اور اللہ پر توکل کرتے ہوئے وہیں چھوڑا اور قادیان روانہ ہو گئے۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام آپ کے بارہ میں فرماتے ہیں کہ

"مولوی حکیم نور دین صاحب اپنے اخلاص اور محبت اور صفت ایثار اور للہ شجاعت اور سخاوت اور ہمدردی اسلام میں عجیب شان رکھتے ہیں۔ کثرت مال کے ساتھ کچھ قدر قلیل خدا تعالیٰ کی راہ میں دیتے ہوئے تو بہتوں کو دیکھا مگر خود بھوکے پیاسے رہ کر اپنا عزیز مال رضائے مولیٰ میں اٹھا دینا اور اپنے لئے دنیا میں سے کچھ نہ بنانا یہ صفت کامل طور پر مولوی صاحب موصوف میں ہی دیکھی یا ان میں جن کے دلوں میں ان کی صحبت کا اثر ہے۔ مولوی صاحب موصوف

اب تک تین ہزار روپیہ کے قریب للہ اس عاجز کو دے چکے ہیں اور جس قدر ان کے مال سے مجھ کو مدد پہنچی ہے اس کی نظیر اب تک کوئی میرے پاس نہیں۔اگرچہ یہ طریق دنیا اور معاشرت کے اصولوں کے مخالف ہے مگر جو شخص خدا تعالیٰ کی ہستی پر ایمان لا کر اور دین اسلام کو ایک سچا اور منجانب اللہ دین سمجھ کر اور بایں ہمہ اپنے زمانہ کے امام کو بھی شناخت کر کے اللہ جل شانہ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم اور قرآن کریم کی محبت اور عشق میں فانی ہو کر محض اعلاء کلمہ اسلام کے لئے اپنے مال حلال اور طیب کو اس راہ میں فدا کرتا ہے اس کا جو عند اللہ قدر ہے وہ ظاہر ہے۔اللہ جل شانہ فرماتا ہے کہ لن تنالوا البر حتی تنفقوا مما تحبون۔“

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے ایک صحابی ملک مولا بخش صاحب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ایک توکل علی اللہ کا واقعہ بیان کئے دیتا ہوں آپ کے آباؤ اجداد ریاست کشمیر کے رہنے والے تھے۔

ڈیرہ غازی خان سے پندرہ میل کے فاصلہ پر بستی رنداں نامی ایک گاؤں قریبا سارا احمدی ہے ان میں اختلافات تھے۔جماعت کی طرف سے مکرم مولوی محمد عثمان صاحبؓ، مکرم حکیم عبدالخالق صاحبؓ اور آپؓ کو رفع اختلافات کے لئے بھیجا گیا۔یہ وفد کوٹ چُھٹہ تک تو لاری پر گیا اور بقیہ چھ میل طے کرنے کو ایک ٹم ٹم کرایہ پر لی۔گرمی کا وقت تھا۔گھوڑا تھک کر گر گیا اور بہتیری کوشش کی گئی لیکن نہ اٹھا۔ملک صاحب موصوف پیدل چلنے کے عادی بھی نہ تھے تاہم پھر بھی آپ اللہ پر توکل کرتے ہوئے اور یہ سوچتے ہوئے کہ ہم اللہ کے نبی کا کام کرنے کی غرض سے نکلے ہیں وہ خود ہی ہماری سواری کا انتظام کر دے گا پیدل چل پڑے۔دوسرے دوست ابھی اس کے اٹھانے کی کوشش کر رہے تھے، اتنے میں دور سے ایک شخص سفید گھوڑا سر پٹ دوڑائے نظر آیا۔آپؓ نے خیال کیا کہ اگر یہ شخص واقف ہوا اور اس کا گھوڑا ٹانگے کو لگ سکا تو ہم اسے جوت لیں گے اور سوار ٹانگے والے گھوڑے پر سوار ہو سکے گا۔لیکن جب سوار نے مقامی دوستوں سے سلام کلام نہ کیا تو آپؓ سمجھے کہ یہ کوئی اجنبی شخص ہے۔ سوار اسی طرح گھوڑا سر پٹ دوڑائے چلا آیا اور بالکل آپؓ کے پاس آ کر گھوڑے سے اتر کر کہنے لگا”ملک صاحب اس پر چڑھ جائیں“یہ شخص آپ کا واقف قادر بخش گرداور قانونگو تھا۔ملک صاحبؓ نے عذر کیا اور کہا کہ آپ چلیں میں پیدل آ جاتا ہوں۔لیکن اس نے کہا کہ کوئی بات نہ کریں اس پر بیٹھ جائیں۔یہ ایک عجیب واقعہ ہے۔چنانچہ دریافت کرنے پر اس نے کہا کہ چند سال سے میں روزانہ اس گھوڑی پر بستی رنداں سے اپنے حلقہ کو جاتا ہوں۔اور کبھی اس نے کان تک نہیں ہلایا اور

میرے اشارہ پر چلتی تھی۔ مگر آج نہ معلوم کیا ہوا کہ جب گاؤں سے میں نکلا تو یہ واپس مڑ گئی اور بھاگنا شروع کیا۔ ہر چند اسے روکنے کی کوشش کی لیکن آپ کے پاس پہنچ کر خود بخود ٹھہر گئی ہے۔ بس آپؓ سوار ہو جائیں۔ چنانچہ اس نے ملک صاحبؓ کو بآرام بستی رنداں پہنچایا اور اگلے روز بھی بآرام اور دوسرے سے پہلے واپس کوٹ چھٹہ پہنچا دیا۔

(اصحابِ احمد جلد 1 صفحہ 154)

پھر سیٹھ شیخ حسن صاحب رضی اللہ عنہ کا واقعہ ہے

آپ ایک تاجر تھے اور بہت امیر تھے۔ سلسلہ کی خدمت کے لئے ہر وقت تیار اور مالی امداد بھی بہت زیادہ کرتے تھے۔ غریبوں سے خاص کر محبت کرتے تھے اور کئی غریب لڑکیوں کی شادی کروائی۔ جو کوئی بھی آپ سے روپیہ مانگنے آتا اسے کبھی نہ نہ کرتے۔ اور کچھ نہ کچھ ضرور دیتے اگر اپنے پاس اس وقت نہ ہوتا تو کہتے کہ کسی سے قرض لے لو میں اسے ادا کر دوں گا۔ اسی وجہ سے ایک دفعہ ایسا ہوا کہ آپ کو تجارت میں بہت زیادہ نقصان ہوا۔ ہزاروں نہیں بلکہ لاکھوں کا نقصان ہوا۔ گھر کے لوگ اور ملازمین سارے پریشان تھے۔ ان دنوں ڈیڑھ لاکھ روپیہ کی مالیت کے بارہ دیوانی مقدمات آپ پر دائر ہو چکے تھے آپ رنگون تجارت کے لئے گئے ہوئے تھے۔ گھر سے فوری واپسی کے لئے تار آیا۔ آپ دعائیں کرتے ہوئے واپس لوٹے۔ جب جہاز مدراس کی گودی میں لنگر ڈال رہا تھا۔ تو آپ کی زبان پر بار بار لاغلبن لامری یا لاغلبن علی امری کے لافاظ جاری ہوئے۔ چنانچہ آپ کو کامل اطمینان ہو گیا۔

مخالفین سلسلہ نے یہ کہنا شروع کر دیا تھا کہ چونکہ سیٹھ صاحب نے جھوٹے سلسلہ کی خاطرمال و دولت خرچ کی اس لئے ان کا گھر بربا د ہو گیا شیخ حسن اب ختم ہو ااب اس کا زندہ رہنا مشکل ہے چنا نچہ ایک دفعہ جمعہ کے بعد آپ نے مسجد احمدیہ یادگیر میں کہا کہ میں دوستوں کو کچھ سنا نا چا ہتا ہوں لوگ میرے خسارہ کو دیکھ کر ایسی باتیں کر تے ہیں میں مسجد میں اللہ تعالی کی قسم کھا کر بیا ن کر تاہوں کہ اللہ تعالی نے مجھے با ر بار بتا یا ہے کہ میں اس وقت تک نہیں مروں گا جب تک کہ تجارت کی حالت پہلے جیسی نہ ہو جائے آپ کو اللہ تعالی پر حد درجہ یقین اور توکل تھا فر ماتے کہ اللہ تعا لی مجھے ضا ئع نہیں کرے گا۔

سید محمد سرور شاہ صاحب رضی اللہ عنہ کا واقعہ ہے کہ

آپ کو ایک دفعہ پشاور جانے کا اتفاق ہوا۔رات کو حسن ابدال سے سوار ہو کر جب صبح صدر پشاور اترے ۔آپ نے ساری رات کچھ نہ کھایا تھا اور سخت بھوک لگ رہی تھی۔لیکن کسی سے اس کا ذکر کرنا بھی مناسب نہ سمجھتے تھے۔ساتھ ساتھ اپنے مالک پر توکل بھی تھا کہ وہ خود ہی کوئی نہ کوئی انتظام کر دے گا۔مولوی رحمت اللہ کی مسجد میں پہنچے تو جماعت ہو چکی تھی۔آپ کے ساتھی اور آپ نے نماز پڑھی۔اس وقت ایک طالب علم نے مشکوۃ مطالعہ کے لئے کھولی ہوئی تھی اور اندھیرے کی وجہ سے حروف نظر نہیں آتے تھے اس لئے روشنی کے زیادہ ہونے کا انتظار کر رہا تھا اس نے آپ کو دیکھ کر نبی شاہ ایک اور طالب علم کو بلا کر کچھ پیسے دئے اور بازار سے نان اور کباب منگوائے اور نماز سے فارض ہونے پر دونوں کے آگے رکھدیئے۔آپ نے سمجھا کہ یونہی صلح کی ہے اس لئے اسے کہا کہ آپ کھائیں۔اس نے کہا کہ یہ آپ کے لئے منگوایا ہے۔چونکہ آپ نے رات کو گاری میں سفر کیا ہے اور راولپنڈی اور پشاور کے درمیان کوئی ایسا سٹیشن نہیں جس پر کھانا مل سکے اسلئے یہ سمجھ کر کہ آپ رات کو بھوکے رہے ہونگے آپ کے لئے کھانا منگوایا ہے۔حضرت مولوی صاحب کے دل میں اللہ تعالیٰ کے لئے جذبات تشکر اتنے موجزن ہوئے کہ آپ چاہتے تھے کہ چیخ مار کر رو پڑیں۔اس پشاور میں جس کے متعلق لوگ کہتے تھے کہ جب تک آپ نمازیوں کے لئے ڈھیلے توڑ کر رکھنے، کنوئیں سے پانی نکال کر سبیل بھرنے، لوٹوں میں پانی ڈال کر نمازیوں کو دینے اور مسجد میں جھاڑو دینے اور صفیں بچھانے کا کام نہیں کریں گے آپ کو کھانا نہیں ملے گا۔کجا یہ کہ اسی پشاور میں ایک طالب کو جو خود مدد کا محتاج ہوتا ہے اور اس سے قطعا کوئی سابقہ معرفت نہیں تحریک ہوتی ہے کہ آپ کے لئے کھانا منگوا لے اور کھانا بھی الکل تازہ تھا حالانکہ ایسے وقت میں تازہ کھانا دستیاب نہیں ہوتا۔آپ ہاتھ دھونے کے بہانے سے کنوئیں کی طرف طلباء سے اوجھل ہوئے اور یہ کہتے ہوئے کہ میرے خدا! تیرے ہوتے ہوئے مجھے ان سفارشی خطوں کی ضرورت نہیں۔ انکو ٹکڑے ٹکڑے کر کے کنوئیں میں پھینک دیا اور واپس آ کر کھانا کھایا۔

(اصحابِ احمد جلد پنجم حصہ اول صفحہ ۲۲،۲۳)

اسی طرح حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے ایک بہت ہی عزیز صحابی حافظ حامد علی صاحب رضی اللہ عنہکے بارے میں حضرت مولوی یعقوب علی عرفانی صاحبؓ بیان کرتے ہیں کہ حافظ صاحب عیال دار تھے۔جو کچھ یہاں سے ملتا اسی میں گزر اوقات کرتے تھے کبھی اس قسم کی خواہش نہ کی کہ یہ ہو یا وہ ہو۔ساری عمر میں اپنے رہنے کے لئے

ایک کوٹھڑی بھی بنا نہ سکے۔خوددار اور غیور ایسے تھے کہ اپنی حالت کا اظہار کبھی کسی سے نہ کرتے تھے۔جب حضرت اقدس کی ترقیات کا دور آیا اور سلسلہ میں دولت مند لوگ بھی آنے لگے۔تو وہ حافظ صاحب کو حضرت اقدسؑ کا خادمِ قدیم سمجھ کر یا اس خیال سے کہ وہ تمام مہمانوں کی خدمت کیا کرتے تھے اور ان کے آرام و آسائش کا خیال کرتے تھے،کچھ دینا چاہتے تو انکار کر دیتے اور ہمیشہ خدا تعالیٰ پر اس قدر توکل کرتے کہ وہ خالق الکل ہمیشہ ان کی تمام ضروریات خود پوری فرمائے گا۔

اسی طرح آپ کے بھائی شیخ زین العابدین صاحب رضی اللہ عنہ کا ایک واقعہ ہے کہ

ایک دفعہ شیخ زین العابدین صاحب حضرت مسیح موعودعلیہ السلام سے ایک کنواں لگوانے کی غرض کے لئے ایک سو روپیہ کے حصول کے لئے مشورہ کرنے کے لئے آئے۔حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ کیسے آئے ہو؟ انہوں نے کہا حضور! صرف زیارت کرنے اور جمعہ پڑھنے آیاہوں۔حضور نے فرمایا زمینداروں کو فرصت کم ہوتی ہے۔جب وہ آتے ہیں تو کئی کام ان کے مدِّ نظر ہوتے ہیں کہ جمعہ بھی پڑھ لیں گے مل لیں گے اور فلاں کام بھی کر لیں گے۔سو آپ اپنا کام بتائیں۔عرض کی کہ ایک کام ہے لیکن آپ کو بتانے والا نہیں۔حضور نے پھر اصرار کیا لیکن میں چھپاتا تھا کیونکہ سود پر قرض حاصل کرنے کا ارادہ تھا۔حضور نے فرمایا کہ میں ضرور دریافت کروں گا پھر کھانا کھائیں گے۔حضور جانتے تھے کہ یہ روٹی بہت کھاتا ہے۔اس کو بھوک لگی تو یہ خودبتا دے گا۔جب میں آیا کرتا تھا تو حضور حافظ صاحب کو فرمایا کرتے تھے۔کہ حافظ صاحب زمیندار آئے ہیں بہت سا روٹی اور سالن لے آنا۔آپ نے بہت اصرار کیا تو میں نے عرض کی۔اگر حضور نے کام کرنا ہے تو بتاتا ہوں ورنہ نہیں۔حضور نے فرمایا کہ میں انشاء اللہ آپ کا کام ضرور کر دوں گا۔میں نے رومال بچھا کر حضور سے عرض کی کہ اس طرح ایک صد روپے کی ضرورت ہے اور میں آہستہ آہستہ واپس کر دوں گا۔حضور نے فرمایا کہ میں ایک ایسی تجویز بتاتا ہوں کہ کنواں بھی لگ جائے گا اور آپ قرض سے بھی بچ جائیں گے۔فرمایا کہ میں میاں حامد علی کو افریقہ بھیج رہا ہوں۔مجھے اللہ تعالیٰ نے الہاماً بتایا کہ وہ زندہ آئے گا اور فائدہ حاصل کر کے آئے گا۔تم بھی اس کے ساتھ چلے جاؤ۔حدیث میں آیا ہے کہ اگر دو بھائی اکٹھے غیر ملک سفر پر جائیں تو سفر بابرکت ہو تا ہے۔وہاں سے پہلی تنخواہ کنویں کے لئے بھیج دیں۔چنانچہ دونوں بھائی سمندری سفر کے ذریعہ روانہ ہوئے۔افریقہ پہنچنے میں ابھی چار روز باقی تھے کہ کپتان نے آدھی رات کو اعلان کر دیا کہ جہاز طوفان میں گھر

گیا ہے اور خراب ہو گیا ہے۔اس کے بچنے کی کوئی امید نہیں۔شیخ صاحب فرماتے ہیں کہ حافظ صاحب نے مجھے جگایا اور ساری بات بتائی۔میں نے کہا کہ جہاز غرق نہیں ہو سکتا اس پر مسیح کے دو حواری بیٹھے ہوئے ہیں۔چنانچہ یہ دونوں اصحابِ احمد خیر و عافیت سے افریقہ پہنچ گئے۔اس واقعہ سے جہاں یہ ثابت ہوتا ہے کہ شیخ زین العابدین رضی اللہ عنہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو سچے دل سے خدا کا مسیح مانتے تھے اورآپ کی ہر بات پر ان کو کامل یقین تھا وہاں اس سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ آپ کا خدا پر بھی کامل توکل تھا کیونکہ خدا تعالیٰ پر اگر توکل نہ ہو تو باقی سارا ایمان جاتا رہتا ہے۔

(اصحابِ احمد جلد تیرہ صفحہ ۲۲،۲۳)

اسی طرح حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے ایک صحابی شیخ فضل احمد صاحب بٹالوی رضی اللہ عنہکا واقعہ ہے۔آپ خود رقم فرماتے ہیں کہ

"غالباً آخر ۱۹۳۴ء میں مجھے لاہور چھاؤنی تبدیل کر دیا گیا۔بار بار کے تبادلوں سے میری طبیعت اکتا گئی تھی۔میں چاہتا تھا کہ کسی طرح مجھے پنشن مل جائے اور میں قادیان میں بقیہ زندگی گذاروں۔سو اللہ تعالیٰ نے میری خواہش پوری کر دی اور میں طبی لحاظ سے نا قابلِ ملازمت قرار دیا جا کر لاہور چھاؤنی سے غالبا ستمبر ۱۹۳۵ء میں قبل سبکدوشی طویل رخصت پر اپنے گھر قادیان آ گیا۔مجھے یاد ہے کہ میں نے کمرہ بند کر کے دعا مانگی کہ الٰہی! تو مجھے اپنے رحم خاص سے میری خواہش کے مطابق قادیان لے آیا ہے۔اب ایک اور نظرِ رحم کر کہ مجھے کسی کے در پر رزق اور ملازمت وغیرہ کے لئے جانا نہ پڑے۔حتی کہ خلیفہ کے در پر بھی نہ لے جائیو۔اور اپنے فضل سے میرے رزق کے سامان کریو۔دعا کے بعد میں نے کمرے کا دروازہ کھولا تو ایک احمدی بھائی کو کھڑے پایا۔جو حضرت صاحبزادہ مرزابشیر احمد صاحبؓ کی چھٹی لائے تھے۔جس میںمرقوم تھا کہ آپ مجھے کسی وقت آ کر ملیں۔میرے دل میںاللہ تعالیٰ نے یہ بات ڈالی کہ یہ قبولیت دعا کا نشان ہے۔ملاقات میں آپ نے فرمایا کہ میں احمد آباد سنڈیکیٹ کا سیکرٹری ہوں۔میں چاہتا ہوں کہ آپ میرے دفتر میں کام کریں۔میںنے خوشی اور شکریہ کے ساتھ تعمیل ارشاد کی۔مجھے علاوہ پنشن کے ۳۰ روپے ماہوار الاؤنس ملنے لگا۔نیز مجھے احمدیہ سٹور کا مینیجر مقرر کیا گیا اور پندرہ روپے الاؤنس مقرر ہوا۔ اور مجھے اتنی ہی آمدنی ہونے لگی جتنی پنشن سے پہلے تھی۔الحمد للہ کہ اللہ تعالیٰ نے دعا سن کر میری دستگیری فرمائی۔اور یہ خدا پر توکل کا ہی نتیجہ تھا۔"

(اصحابِ احمد جلد سوم صفحہ ۱۴۶)

شیخ فضل احمد صاحب بٹالوی صاحب رضی اللہ عنہ ہی کے بارہ میں اصحابِ احمد میں یہ درج ہے کہ

"احمدیت میں شامل ہونے کے بعد آپ کی طبیعت مذہب کی طرف بہت زیادہ مائل تھی اور آپ نمازیں اور دیگر عبادات بڑی باقاعدگی سے بجا لاتے تھے ظہر کے وقت نماز باجماعت کے لئے دفتر سے جایا کرتے تھے۔ہندو اور سکھ کلرک اسے پسند نہ کرتے تھے۔۱۹۱۰ء میں ایک سکھ ہیڈ کلرک نے افسر اعلیٰ کے پاس شکایت کی اس نے دریافت کیا کہ کیا تم نماز کے لئے جاتے ہو؟ آپ نے فرمایا یہ درست ہے وہ کہنے لگا۔جب تک میں اجازت نہ دوں تم نہیں جا سکتے۔اس پر آپ نے فرمایا کہ نماز تو میں ضرور پڑھوں گا اور اب بھی نماز کے لئے ہی جارہا ہوں۔آپ عبادت سے مجھے نہیں روک سکتے۔اسکے بعد آپ دفتر نہ گئے اور خدا پر ہی توکل کیا کہ جس خدا کی خاطر میں نے نوکری چھوڑی ہے وہ خود ہی میرا کچھ ذریعہ کرے گا۔اس افسر نے آپ کو ملازمت سے برخاست کر دیا۔جس کے لئے آپ پہلے ہی تیار تھے۔مگر اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے آپ کو پہلے سے بہتر ملازمت غیر معمولی حالات میں عطا فرمائی اور کمانڈنگ افسر نے خود جائے نماز خرید کر دیا اور کہا کہ میرے دفتر میں نماز پڑھا کرو،

(اصحابِ احمد جلد سوم صفحہ ۱۶۵)

اسی طرح ایک اور واقعہ شیخ فضل احمد صاحب بٹالوی کا ہے کہ

۱۹۱۰ء کی گرمیوں میں آپ کو دفتر کی طرف سے لاہور سے ڈلہوزی جانے کا آرڈر ملا۔آپ لکھتے ہیں کہ میرے ہمراہ میری بیوی، اس کا بھائی اکبر علی اور میرے بھائی امیر احمد سفر کر رہے تھے ایک ٹانگے میں ہمتھے اور تین ٹانگوں میں ہندو کلرکوں کے اہل و عیال تھے جب دنیرہ پڑاؤ پر پہنچے تو شام ہو گئی۔وہاں کے ہندو کلرکوں نے اپنے ہندو بھائیوں کو اپنے خیموں میں جگہ دے دی اور میں کھڑا کا کھڑا رہ گیا۔ہر چند مکان یا ٹینٹ کی تلاش کی مگر کچھ نہ ملا۔اکبر علی نے گھبرا کر کہا رات سر پر آ گئی ہے اب کیا ہو گا میں نے کہا۔ع

۹خدا داری چہ غم داری۹

خدا تعالیٰ ضرور کوئی سامان کر دے گا۔اتنے میں ایک گھوڑ سوار آیا اور اس نے مجھے محبت سے سلام کیا۔اور پوچھا آپ یہاں کہاں؟ میں نے قصہ سنایا تو وہ کہنے لگا کہ میں ابھی آتا ہوں تھوڑی دیر میں وہ چند سپاہیوں کے ساتھ ایک ٹینٹ لایا اور خیمہ لگوا کر اس میں بھاس بچھوا دیا اور پانی وغیرہ رکھوا کر چلا گیا اور رات کے قریبا گیارہ بجے دال روٹی اور زردہ لے کر آیا اور معذرت کرنے لگا کہ دیر ہو گئی تھی اس لئے گوشت نہیں مل سکا۔پھر میرے پوچھنے پر کہا آپ مجھے نہیں جانتے؟ آپ نے ہی تو میری درخواست لکھی تھی جس پر مجھے دفعداری مل گئی تھی۔ پھر وہ چند آدمی پیچھے چھوڑ گیا کہ رات کو پہرہ دیں اور صبح کو خیمہ سنبھال لیں۔

اسی طرح ایک واقعہ صحابی مسیح موعود علیہ السلام حضرت حافظ نور محمد صاحب رضی اللہ عنہ ولد میاں مراد علی صاحب ککے زئی ضلع گورداسپور کا ہے کہ

جب آپ کے والد ماجد کا انتقال ہو گیا اور ابھی حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے دعویٰ مسیحیت نہیں فرمایا تھا۔آپ کے والد کے انتقال پر حضور علیہ السلام نے آپ کو ایک بہت ہی پیاری نصیحت فرمائی اور یقینا حافظ صاحب نے اس نصیحت کو حرزِ جان بنایا ہو گا۔وہ فرماتے ہیں

”جس وقت میرے والد صاحب مرحوم کا انتقال ہوا تو اس کے بعد میں حضرت صاحب کی خدمت میں حاضر ہوا۔آپ نے مجھ سے مخاطب ہو کر فرمایا کہ حافظ صاحب اب بجائے والدین کے اللہ تعالیٰ کو سمجھو۔وہی تمہارا کارساز ہو گا اور متکفل ہو گا۔چنانچہ تا حال اللہ تعالیٰ نے محض اپنے فضل اور ذرہ نوازی سے میری دستگیری فرمائی ہے۔“

آپ مزید فرماتے ہیں کہ

انبیاء اور اولیاء کا تعلق جو وہ ذاتِ باری کے ساتھ رکھتے ہیں ایک زندہ حقیقت کا حکم رکھتا ہے۔اور ہر دیکھنے والا محسوس کر سکتا ہے کہ جس طرح کسی کا کوئی باپ ہوتا ہے اور کوئی بیٹا اور کوئی بیوی اور کوئی بھائی اور کوئی دوست۔اسی طرح انبیاء و اولیاء اور صالحین خدا کے ساتھ ایک رشتہ رکھتے ہیں جو خواہ خادم و آقا والا ہی رشتہ ہے مگر محبت و وفا داری میں اپنی نظیر نہیں رکھتا۔میں اپنے اپنے اندر ایک عجیب حالت محسوس کرتا ہوں۔جبکہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے الہام الیس اللہ بکاف عبدہ کے نزول کے حالات کو پڑھتا ہوں۔آپ کے والد ماجد بیمار ہوتے ہیں اور آپ

کو الہام ہوتا ہے۔کہ والسماء والطارق یعنی آج شام کو ان کی دنیاوی زندگی کا خاتمہ ہے۔آپ ان بوجھوں کو دیکھ کر جو والد کی وفات سے آپ پر پڑنے والے تھے کچھ فکر مند ہوتے ہیں اور ایک لمحہ نظر کے لئے خیال آتا ہے کہ بعض وجوہِ معاش والد کی زندگی کے ساتھ وابستہ ہیں وہ فوت ہو جائیں گے تو پھر کیا ہو گا۔اس پر جھٹ دوسرا الہام نازل ہوتا ہے کہ الیس اللہ بکافٍ عبدہ یعنی اے میرے بندے کیا تو یہ گمان کرتا ہے کہ تیرا رب تیری دستگیری کے لئے کافی نہیں ہے۔اللہ اللہ کیا ہی محبت بھرا کلام ہے۔کوئی سمجھتا ہو گا کہ یہ زجر کا کلمہ ہے۔ مگر جو ایسا خیال کرتا ہے میں اسے محبت کے کوچہ سے محض ہاں بالکل محض ناآشنا خیال کرتا ہوں۔کیونکہ میرے نزدیک ایسے موقع پر اظہارِ محبت کے واسطے اس سے زیادہ مناسب اور بہتر الفاظ چنے نہیں جا سکتے تھے۔یہ ایسا ہی کلام ہے مثلاً کسی کا دور کا رشتہ دار کسی سے جدا ہونے لگے تو وہ اس پر کرب کا اظہار کرے اور وہ یہ سمجھنے لگے کہ اب گویا میرا کوئی پوچھنے والا نہیں رہا۔حالانکہ اس کا حقیقی باپ جو اسے دل جان سے چاہتا ہو اس کے پاس موجود ہو۔اور وہ اپنے گھبرائے ہوئے بیٹے کو کہے۔کیا تو اپنے باپ کی محبت کو بھول گیا ہے۔پس یہ بھی خدا تعالیٰ کا اسی طرح کلام ہے جس کا ہر لفظ عشق و محبت میں ڈوبا ہوا ہے اس میں ایمانیات کا کوئی سوال نہیں۔بلکہ اس محبت کا اظہار مقصود ہے جو ذاتِ باری کو حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے ساتھ تھیں۔اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام اس شرابِ طہور کے نشہ میں متوالے ہو چکے تھے۔اس لئے حافظ نور محمد صاحب کے والد کی وفات پر آپ کو اس سے بہتر تسلی دینے کا طریق نہ سوجھا کہ حافظ صاحب اگر اب تک آپ ایسا نہ سمجھتے تھے تو کم از کم اب سے ہی اپنے رب کو اپنے والد کی جا بجا سمجھو اور اسی کو اپنی امیدوں اور اپنی محبت کا تکیہ گاہ بناؤ۔خاکسار عرض کرتا ہے کہ یہ وہ نقطہ ہو جسے جس نے سمجھا ہو فلاح پا گیا۔

(اصحابِ احمد جلد ۱۳ صفحہ ۲۰۸،۲۰۹)